بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب (دعاجُو) دہلویؒ

ایئر کموڈور (ریٹائرڈ) انعام الحق

اللہ کے نیک بندے مختلف صفات کے حامل ہوتے ہیں۔ بعض بزرگ متین، سنجیدہ، خاموش اور بعض بارعب پر جلال۔ بعض مسکین، سادگی پسند بعض انتہائی شفیق، نرم دل ملنسار۔ الغرض ہر ایک کا رنگ جدا جدا ہر ایک کی خوشبو الگ الگ میرا جن بزرگوں سے خوش قسمتی سے تعلق ہوا ان میں ایک شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ بھی تھے۔ وہ عجیب ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے۔ عالموں میں عالم، صوفیوں میں صوفی، پیروں میں بزرگ، عوام میں ہر دلعزیز اور شاعروں میں شاعر جو بھی شاہ صاحب کو ذرا جانتا بس یہی سمجھتا کہ شاہ صاحب کا اس سے خاص تعلق ہے۔ وہ نہایت حاضر جواب، ذہین اور خوش مزاج تھے۔ ان کی صحبت میں جا کر آدمی کا سارا انقباض ختم ہو جاتا۔ اور ان سے گفتگو کرنے کو جی چاہتا۔ شاہ صاحب کی ہر ایک کے حال پر نظر رہتی اور سب کی خاطر تواضع فرماتے۔

تقسیم سے قبل دہلی میں جب میں بستی نظام الدین جاتا تو بنگلے والی مسجد میں شاہ صاحب کا بیان ہوتا تھا۔ شاہ صاحب حضرت مولانا یوسف صاحب رحمہ اللہ کے مسجد میں آنے سے پہلے بیان فرماتے۔ میواتیوں سے ان کی زبان میں گفتگو کرتے اور خوب ترغیب دیتے۔ وہ مردم شناس بھی تھے اور موقع شناس بھی۔ اور ہر شخص سے اس کی ذہنی سطح کے مطابق بات فرماتے۔ پڑھے لکھوں میں علمی باتیں کرتے۔ عوام میں ان کی سمجھ کے مطابق ارشاد فرماتے۔ اکثر بیان میں اشعار بھی پڑھتے اور الفاظ سے بھی کھیلتے اور کبھی کبھی قافیہ بندی بھی فرماتے۔ شاہ صاحب تبلیغ میں لگنے سے پہلے مناظرے کیا کرتے اور ہندو پنڈتوں سے بھی مباحثہ فرماتے مگر تبلیغ میں لگنے کے بعد رنگ ہی بدل گیا۔ سارے ہندوستان میں تبلیغی دورے کئے اور پھر پاکستان بننے کے بعد کراچی سے لے کر پشاور تک ہر جگہ کے چکر لگائے۔ مگر زیادہ قیام کراچی میں رہا۔

میں اکثر کراچی کی مکی مسجد میں جاتا تو شاہ صاحب کا جمعرات کو بیان ہوتا۔ دلی کے تاجر

شاہ صاحب سے بہت محبت کرتے تھے۔ اکثر لوگ شاہ صاحب کے پاس دعا اور مشورے کیلئے آتے تھے۔ وہ سب کی تربیت بھی کرتے تھے اور اصلاح بھی۔ شاہ صاحب خطیب بھی تھے اور واعظ بھی اور مبلغ بھی۔ قرآن کریم کی تفسیر بھی فرماتے اور کئی نکات بڑی خوبی سے واضح فرماتے۔ الغرض امیر، غریب، جدید تعلیم یافتہ، تاجر، افسر، علماء اور خصوصاً تبلیغ کا کام کرنے والے لوگ سب ہی شاہ صاحب سے استفادہ کرتے۔ شاہ صاحب اکثر تبلیغی اجتماعات میں شرکت فرماتے اور خود کاغذ پنسل لے کر دوسرے بزرگوں کے ارشادات بھی نوٹ فرمالیتے۔ اپنے بیان میں سوالات بھی پوچھتے اور افہام و تفہیم سے کام لیتے۔ ایسے سوالات کرتے جو لوگوں کو سوچ میں ڈال دیتے اور پھر خود ہی گتھیاں سلجھاتے۔ ان کے سامنے بولنا مشکل تھا بات فوراً پکڑ لیتے اور بولنے والا آدمی از خود ہی شرمندہ ہو جاتا۔

شاہ صاحب نے دعاجو کا لقب اختیار کیا تھا۔ ہر مجلس کے اختتام پر دعا مانگتے اور آخر میں سب سے عاجزی سے فرماتے کہ میرے لئے بھی دعا کرو۔ اللہ تعالی نے جو علم دیا ہے اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آنے جانے والوں کی برابر خاطر مدارات جاری رہتی۔ لوگوں کو کھلاتے پلاتے، شفقت فرماتے اور پھر دعا مانگتے۔ چلتے چلاتے ایک آدھ لطیفہ بھی بیان کر دیتے۔ ان کا دم بڑی ہی رونق والا تھا بچوں سے بھی مذاق فرماتے اور ان کو پیار کرتے اور مٹھائی کھلاتے۔ اپنے خدام کا بھی خاص خیال رکھتے تھے۔

شاہ صاحب حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے خلفاء میں سے تھے۔ اور ہندو پاک کے اکابر علماء سے رابطہ تھا۔ اکثر سفر میں ہی رہتے تھے۔ شاہ صاحب تبلیغ کے کام کے بارے میں فرماتے تھے کہ اس کا مقصد بے طلبو میں طلب پیدا کرنا ہے۔ وہ فروعات کو چھوڑ کر جڑ اور اصول پر زور دیتے تھے کہتے تھے کہ جڑ ہی سے تو ساری بہار ہے۔ پھول پتیاں تو بعد میں آتی ہیں جڑ کی آبیاری پہلے ضروری ہے۔ اس لئے سارا زور کلمہ اور ایمان کی دعوت پر تھا۔ تبلیغی کام کرنے والوں کو کہتے تھے کہ سب کو منانا ہے کسی سے منوانا نہیں ہے۔ پہلے مائل کرنا پھر گھائل کرنا ہے کسی کو قائل نہیں کرنا۔ دینی کتابیں خصوصاً فضائل تبلیغ بھی اپنی مجالس میں پڑھوایا کرتے تھے۔ ردیف قافیہ بھی خوب ملاتے۔ فرماتے تھے کہ تین چلے جو مانگے جاتے ہیں ان کی غرض یہ ہے کہ پہلے چلے میں زنگ مٹتا ہے دوسرے میں رنگ چڑھتا ہے اور تیسرے میں ڈھنگ آتا ہے۔ "جتنا باہر نکلو گے دین اندر آئے گا۔ نکلو گے تو

نگلوگے" کبھی مذاق سے فرماتے تھے کہ تبلیغی لوگ لوگوں کو "بیوقوف" بناتے ہیں۔ پھر مطلب خود ہی واضح فرماتے کہ" یہ گھروں میں بیٹھنا نہیں ہے بلکہ تبلیغ کے لئے نکلنے کو کہتے ہیں "اکثر کہتے تھے کہ تبلیغ کیا ہے؟ درکار نبوت اخرت اور در درد پیغمبر شرکت" ذکر رسول کے ساتھ ساتھ فکر رسول کی بھی دعوت دیتے تھے۔

میں بھی شاہ صاحب کے بارے میں کہہ سکتا ہوں کہ مجھ سے بہت شفقت فرماتے تھے اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ پاکستان کے سب شہروں میں شاہ صاحب کی زیارت ہوتی رہی۔ جب میں حیدر آباد سندھ کے گورنمنٹ کالج میں انگریزی پڑھاتا تھا تو پیر آباد میں میرا قیام تھا۔ وہاں شاہ صاحب تشریف لائے۔ ان دنوں آزاد میدان خالی پڑا تھا اور شاہ صاحب کی خواہش تھی کہ وہاں ایک مدرسہ اور مسجد بن جائے اور اللہ تعالیٰ کی نماز پڑھی جائے۔ حیدر آباد میں مجھے تنخواہ معقول نہ ملتی تھی اور گزارا مشکل تھا۔ میں نے شاہ صاحب سے عرض کیا کہ میں ایئر فورس میں کمیشن لینا چاہتا ہوں شاہ صاحب نے فرمایا۔ اگر دین کا نقصان نہ ہو تو دنیوی ترقی میں کوئی حرج نہیں۔ چنانچہ میں نے ایئر فورس کی نوکری اختیار کرلی۔ جب میں ڈرگ روڈ کراچی میں رہا تو شاہ صاحب سے برابر ملاقات ہوتی رہی۔ پھر جب میں کوہاٹ تبدیل ہوگیا تو وہاں بھی شاہ صاحب دورے پر تشریف لائے۔ پھر مری میں لوئر ٹوپا میں میں شاہ صاحب کی خدمت میں جاتا رہا۔ شاہ صاحب کا قیام سٹی بنک میں تھا۔ ان دنوں رمضان شریف گزارنے کیلئے حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمہ اللہ عبد المجید دستی صاحب وزیر تعلیم کی کوٹھی پر مقیم تھے۔ رمضان المبارک میں حضرت کا معمول ساری رات قرآن کریم سننا تھا۔ تراویح کے بعد میں بھی نماز کیلئے کھڑا ہوگیا مگر میری آنکھیں دکھ رہی تھیں۔ شاہ صاحب نے دیکھا اور ہاتھ پکڑ کر لے آئے اور کہا کہ" تمہاری آنکھیں دکھ رہی ہیں تم کو جاگنا نہیں چاہیے" کیسی شفقت تھی؟

لاہور میں شاہ صاحب ڈاکٹر اسلم صاحب کے ہاں قیام فرماتے یا پھر بلال پارک میں رہتے۔ اکثر شاہ صاحب پشاور بھی تشریف لاتے اور پلوسی کے تحصیل دار صاحب کے ہاں ان کا قیام رہتا۔ ان سے بڑی محبت تھی۔ پروفیسر محمد اشرف صدر شعبہ عربی سے بھی شاہ صاحب کا گہرا تعلق تھا۔ بعد میں ان کو خلافت بھی عطا فرمائی۔ پشاور اور مردان کے کام کرنے والے احباب شاہ صاحب کے گرویدہ تھے۔ شاہ صاحب سے مردان والے، صوابی والے،

چارسدہ والے سب ہی ملنے آتے اور شاہ صاحب ان کو تبلیغ کا کام کرنے کی خوب ترغیب دیتے اور کہتے "ہمت مرداں مدد خدا" مگر ہم تو شاہ صاحب کو جن سمجھتے تھے۔ ایک واقعہ یاد آتا ہے جب میں رسالپور میں تھا تو سرحد کا تبلیغی اجتماع درگئی میں ہوا۔ شاہ صاحب تشریف لائے اور راستے میں کچھ دیر کیلئے ٹھہرے۔ میری ایک بیٹی کی بسم اللہ پڑھائی اور مصری کھانے کو دی وہ انتہائی نیک اور ذہین نکلی اور ڈاکٹر بن گئی۔ رسالپور میں میں نے کچھ افسران اور ان کی بیگمات کو بھی شاہ صاحب کا بیان سننے کی دعوت دی اور شاہ صاحب کو احتیاطاً "عرض کیا کہ قادیانیوں کے خلاف کچھ نہ کہیں مگر شاہ صاحب نے خوب واضح طور پر قادیانیت کی مذمت کی اور انگریزی تہذیب یافتہ فیشن ایبل عورتوں کی بھی خبر لی۔ کسی نے چوں تک نہ کی ایسا شاہ صاحب کا رعب پڑا۔

شاہ صاحب فرماتے تھے جو عادت بچپن سے پڑتی ہے بچپن تک چلتی ہے۔ بچوں کی تربیت بے حد ضروری ہے۔ میں چونکہ تبلیغی گشت وغیرہ میں وقت لگاتا رہتا تھا اس لئے بچے شرارت بھی کرتے اور ماں کو تنگ بھی کرتے تھے۔ میں ایک آدھ کی مرمت کر دیتا تو پھر افسوس بھی ہوتا "قہر درویش برجان درویش" تو شاہ صاحب دعا بتاتے تھے اور فرماتے کہ بچوں کو اپنے ساتھ رکھا کرو۔ چنانچہ میں جب شاہ صاحب کی خدمت میں جاتا تو برخوردار معین الحق کو ضرور ساتھ لے جاتا اور اس پر اچھا اثر پڑتا۔ ۱۹۶۰ء سے ۱۹۶۸ء تک بی اے سٹاف کالج ڈرگ روڈ میں میرا قیام آٹھ سال رہا۔ اس اثنا میں میں نے شاہ صاحب کو گھر پر آنے کی بھی دعوت دی اور کچھ افسران کو بھی جمع کیا۔ وہ سب شاہ صاحب کی گفتگو سے بے حد متاثر ہوئے۔ ان دنوں شاہ صاحب ناظم آباد میں رہتے تھے۔ لوگ جوق در جوق ملنے آتے تھے اور شاہ صاحب سب کو کھانا کھلاتے۔ میرے اندازہ سے صدر ایوب بھی اس زمانے میں اتنے لوگوں کی روزانہ خاطر نہ کر سکتے تھے۔ شاہ صاحب کا دستر خوان بہت وسیع تھا۔ ان کی طبیعت میں بڑی سخاوت تھی سب کو کچھ نہ کچھ دیتے ہی رہتے۔ میں تین افسروں کو ان کے پاس لے کر گیا۔ شاہ صاحب نے سب کو دس دس روپے دیئے۔ رمضان المبارک میں تو شاہ صاحب کا ہاتھ جیب میں ڈلا رہتا تھا۔ بے حد سلوک کرتے کسی کو تحفہ، کسی کو ہدیہ اور کسی کو رقم دینا ان کا شعار تھا۔ کہتے تھے ہدیہ دینے سے محبت بڑھتی ہے۔ شاہ صاحب کچھ نہ کچھ دیتے ہی رہتے تھے اور کبھی کبھی خاص ملنے والوں سے فرمائش بھی کرتے تھے۔ شامی کباب پسند تھے مگر شرط یہ

ہوتی تھی کہ اس میں چنے کی دال نہ ہو۔ چنانچہ میں کبھی کبھی خصوصی قسم کے کباب شاہ صاحب کیلئے لے جاتا تھا اور کبھی کبھی مٹھائی کا ڈبہ بھی لے جاتا مگر شاہ صاحب کہتے تھے کہ ہر دفعہ ہدیہ لانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایک دفعہ میں نے عرض کیا۔ شاہ صاحب یہ تھوڑی سی مٹھائی لایا ہوں فوراً بولے تھوڑی سی کیوں ہے؟ جو شاہ صاحب کے سامنے بولتا پکڑا جاتا میں بھی اکثر لاجواب رہتا۔

شاہ صاحب علمائے کرام سے خوب لگاؤ رکھتے تھے۔ میں اپنی والدہ کے ساتھ ۱۹۶۷ء میں حج پر گیا۔ ان دنوں مدنیہ طیبہ میں حضرت مولانا زکریا صاحب تشریف رکھتے تھے۔ شاہ صاحب نے نہایت عاجزی سے دعا کی درخواست عرض کرنے کو کہا۔ حضرت مولانا زکریا صاحب شاہ صاحب کا نام سن کر بہت خوش ہوئے اور کہا "میں شاہ صاحب کے لئے دل سے دعا کرتا ہوں" شاہ صاحب کے ہی کہنے سے حضرت مولانا زکریا صاحب رحمہ اللہ نے فضائل درود کا رسالہ لکھا تھا۔ شاہ صاحب ایک لطیفہ سناتے تھے کہ کوئی ہندو شاہ صاحب کے ساتھ ریل میں سفر کر رہا تھا وہ شاہ صاحب کے جبہ قبہ کو دیکھ کر بولا: شاہ صاحب "آپ علماء ہو" شاہ صاحب نے فرمایا "میں خادم العلماء ہوں" وہ بیچارہ سمجھا کہ شاہ صاحب کا رتبہ تو اور بھی اعلیٰ ہے۔

شاہ صاحب کے مواعظ سے لوگ بے حد متاثر ہوتے تھے اور ان کے ارشادات یاد کرتے تھے۔ سیرت کے موضوع پر شاہ صاحب کے بیانات بڑے ایمان افروز ہوتے تھے۔ اکثر یہ شعر پڑھتے:

وہی سمجھا جائے گا شیداء جمال مصطفےٰ
قال قال مصطفےٰ ہو حال حال مصطفےٰ

اور فرط محبت سے کبھی پڑھتے:

ازدوعالم در دوعالم خوش نمی آمد مرا
یا روئے تو یا خوئے تو یا کوئے تو

اور کبھی

دینے والے تجھے دینا ہے تو اتنا دیدے
کہ مجھے شکوہ تنگی داماں نہ رہے

کبھی کبھی لوگوں کو اوراد و وظائف کی بھی تعلیم فرماتے۔ سورہ توبہ کی آخری آیت

حسبی اللہ لا الہ الا ہو علیہ توکلت وہو رب العرش العظیم

کے بارے میں فرماتے کہ عرش کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ اگر قرآن شریف کی کسی سورۃ کی تفسیر فرماتے تو علم کے موتی بکھیر دیتے۔ ایک دفعہ سورہ والضحیٰ کی تفسیر فرمائی بس حقیقت بیان فرمادی کہ زندگی میں خوشیاں اور راحت کم ہے اور غم واندوہ زیادہ جیسے پوہ پھٹنے کا وقت تھوڑی دیر رہتا ہے اور پھر رات چھا جاتی ہے۔

شاہ صاحب تبلیغ کے کام کے بارے میں فرماتے تھے کہ اس سے منشا علم اور عمل ہیں۔ حروف ایک ہی ہیں (ع م ل) اسی طرح فرماتے تھے کہ تعلیم (ت ع ل ی م) کا مقصد بھی تعمیل ہے۔ الفاظ ایک ہی ہیں۔ پھر کہتے تھے "جتنا باہر نکلو گے دین اندر آئے گا۔ وقت لگاؤ گے، دن بڑھاؤ گے، دل بڑھے گا۔ قدم بڑھاؤ گے قلب کشادہ ہوگا" غرض طرح طرح سے دعوت کے کام کو ذہن نشین فرماتے تھے اور لوگوں کو تبلیغ میں وقت لگانے کی دعوت دیتے تھے۔ کام کرنے والوں سے بے حد محبت کرتے تھے۔ محنت کرنے والوں کو دل سے چاہتے تھے۔ بقول ان کے وہ نئے آنے والوں کو لگاتے تھے اور لگے ہوؤں کو جماتے تھے۔ ایک دفعہ بھائی عبد الوہاب صاحب رات کو سامنے آئے تو ان کی پیشانی کو چوم لیا۔ کوئی شاہ صاحب کو دباتا تھا تو کہتے تھے تم مجھے دباتے ہو مجھ سے دبنا چاہیے۔ بس جو ان سے ملتا ان کا شیدائی ہوجاتا تھا۔

۱۹۶۷ء میں شاہ صاحب کراچی سے ٹنڈو آدم چلے گئے جہاں انہوں نے ایک دینی مدرسہ قائم کیا تھا۔ وہاں ہی انتقال فرمایا اور مدرسہ ہی میں ان کی لحد مبارک ہے۔ اللہ تعالی اپنی آغوش رحمت میں ان کو رکھے۔ عجب شفیق بزرگ تھے۔